۲۲/ نومبر ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

رجسٹرڈ نمبر L.922
فون نمبر ۔۔۔۔ 29

ایڈیٹر
آل احمد سرور

فی کاپی پندرہ پیسے
قیمت سالانہ پانچ روپے

اشاعت کی تاریخیں
۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲

جلد ۳۰ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۴۴

اداریہ

اردو کے متعلق اترپردیش کے بڑے وزیر کا بیان

حال میں اترپردیش کے بڑے وزیر شری کملاپتی ترپاٹھی کا ایک سرکاری بیان شایع ہوا ہے جسے ہم نے اپنی پچھلی اشاعت میں اخبار قومی آواز لکھنؤ سے نقل کیا تھا۔ اس بیان کے بموجب بڑے وزیر نے لسانی اقلیتوں کے کمشنر کو بتایا ہے کہ ریاست کے ہر پرائمری اسکول میں ایک ایڈوانس رجسٹر، رکھا جائے گا جس میں والدین یہ درج کر سکیں گے کہ وہ اپنے بچے کو کس زبان میں تعلیم دلانا چاہتے ہیں۔

دراصل ایڈوانس رجسٹر کی یہ بات لسانی اقلیتوں کے کمشنر نے کئی سال ہوئے کہی تھی۔ اُن کے اس مشورے پر کچھ ریاستی حکومتوں نے فوراً ہی عمل کرنا شروع کر دیا۔ مگر اترپردیش میں اس پر عمل بہت دیر میں ہوا اور کمشنر کے بیان کے مطابق اکثر جگہ رجسٹر سادے ملے اور بعض جگہ نہ ملے۔ بہرحال اب ریاستی حکومت نے اس معاملے میں خاص ہدایات جاری کردی ہیں تو امید ہے کہ ان کی پوری پابندی ہوگی۔ لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اسکول کے داخلہ فارم میں ایک خانہ بنایا گیا ہے جس میں والدین یا سرپرست یہ درج کریں گے کہ وہ کس زبان میں اپنے بچے کو تعلیم دلانا چاہتے ہیں، اگر اُن خانے کے مطابق اعداد و شمار جمع کئے گئے اور اسکول کھلنے سے پہلے استادوں کا انتظام کیا گیا تو اردو دوستوں کی ایک بڑی شکایت دور ہو سکتی ہے۔

وزیر اعلیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ "اگر کسی جماعت میں اردو میں تعلیم پانے والے بچوں کی تعداد دس یا اسکول میں چالیس ہوگی تو وہاں اس سلسلے میں بندوبست کیا جائے گا۔"

یہ تو وہی فارمولا ہے جو ۱۹۴۸-۴۹ء کے تعلیم کے وزیروں کی کانفرنس میں طے ہوا تھا۔ اس عرصے میں گنگا میں بہت پانی بہہ گیا ہے ملک کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے، دستور میں نہ جانے کتنی تبدیلیاں ہوگئی ہیں، مگر یہ دس اور چالیس کا فارمولا ایسا ہے کہ ہر دفعہ ہمیں اس سے دو چار ہونا پڑتا ہے تجربے نے ثابت کر دیا کہ اس پر عمل نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے لیکن حکومت برابر اس فارمولے کی آڑ لیتی رہتی ہے ضرورت ہے کہ اسے ختم کیا جائے اور اس کی جگہ پانچ طالب علم ایک درجے میں اور بیس طالب علم ایک اسکول میں اردو میں تعلیم کا انتظام کرنے کے لئے کافی سمجھے جائیں۔

اس بیان میں یہ بات نئی ہے کہ ریاست کے سات بڑے شہروں یعنی کانپور، الہ آباد، بنارس، آگرہ، لکھنؤ، میرٹھ اور بریلی میں اردو تعلیم کے لئے پرائمری اسکول کھولے جائیں گے۔ دراصل ایسا انتظام ان شہروں کے علاوہ فی الحال تمام شہروں میں جہاں اردو دوستوں کی معتد بہ آبادی ہو، ہونا چاہئے، مثلاً پندرہ یا بیس فی صدی اردو آبادی کے

شہروں میں یہ انتظام فوراً ہونا چاہئے۔

اس سے پہلے وددھان پریشد میں ایک بیان میں یہ بھی اعلان کیا گیا تھا کہ اردو ایک مضمون کے طور پر پڑھانے کے لئے جلد سے جلد ابتدائی اسکولوں میں انتظام کیا جائے گا اور استادوں کے تقرر کے لئے خاص رقم متعین کی جائے گی۔ موجودہ اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کے لئے سو لاکھ کی رقم اس سال کے بجٹ میں رکھی گئی ہے، ہمارے نزدیک ابتدائی اسکولوں میں اردو صرف ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھانا کافی نہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ابتدائی تعلیم ساری کی ساری اردو میں ہو، ہاں ان طالب علموں کو ہندی تیسرے درجے سے لازمی طور پر پڑھائی جائے تاکہ یہ ہندی بھی اچھی طرح سیکھ سکیں۔ ابتدائی منزل پر اردو ایک مضمون کی حیثیت سے سکھانے سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا جب تک یہ انتظام نہ ہو کہ ہر اُس بچے کو جس نے ابتدائی منزل پر اردو پڑھی ہے، ثانوی منزل پر بھی اردو پڑھنے کی سہولت مل جائے گی۔

یہ بھی ایک اچھی خبر ہے کہ ثانوی منزل پر اردو مضمون کے علاوہ دوسرے مضامین کی کتابیں بھی اردو میں تیار کرانے کا ارادہ ہے۔ یہ ایک ضروری کام ہے اور اس کے بغیر ثانوی منزل پر اردو کی تعلیم اچھی طرح نہیں دی جا سکتی اس لئے اس سلسلے میں جلد قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ مجوزہ اکاڈمی اس کام پر خاص توجہ کرے تو بہتر ہوگا۔

ویسے مجوزہ اردو اکاڈمی کے متعلق خیال آرائی کی ہم ابھی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اکاڈمی بن جائے اور اس کے دائرہ کار کے متعلق زیادہ علم ہو جائے تو اسی وقت کچھ کہنا مناسب ہوگا۔

بہر حال بڑے وزیر کا یہ بیان کچھ پرانی اور کچھ نئی باتوں کا مجموعہ ہے۔ دیکھنا ہے کہ اس بیان پر بھی کتنا عمل ہوتا ہے، یہ بات خوش آئند ضرور ہے کہ اب اتر پردیش کی حکومت کو اپنی کوتاہی کا احساس ہو رہا ہے اور وہ اسے دور کرنا چاہتی ہے۔ کاش وہ ایسا کر سکے۔ ہم خواہ مخواہ نہ مایوس ہیں نہ خواہ مخواہ پرامید حالات کو غور سے دیکھ رہے ہیں۔ کوئی عملی قدم اٹھایا جائے تو ہم اس کی تعریف ضرور کریں گے مگر ہم محض باتوں سے نہیں بہلائے جا سکتے۔

"گل نغمہ" کا تیسرا اڈیشن شائع ہو گیا

اردو کے مشہور صاحب طرز غزل گو شاعر حضرت فراق گورکھپوری کا منتخبہ مجموعہ کلام "گل نغمہ" تنوع ثانی کے بعد سہ بار شائع ہو گیا ہے "گل نغمہ" ساہتیہ اکاڈمی کی انعام یافتہ کتاب ہے۔

حسب سابق تاجروں اور ایجنسیوں کو معقول کمیشن اور دیگر رعایت دی جائیں گی۔

قیمت فی نسخہ ۸ روپے ۵۰ پیسے

کمیشن ــــ ۵ نسخوں تک ۲۵٪

۱۰ " ۳۳٪

۲۵ نسخوں سے زائد پر ۴۰٪

ملنے کا پتہ: ادارہ انیس اردو ۱۴ چوک الہ آباد ۳

جاوید وششٹ

درد، اہلِ اُردو کا

(ایک منقبتی قصیدے کی تشبیب)

رگِ حیات میں پیوست غم کا نشتر ہے!
مزاجِ وقت اذّیت رسی کا پیکر ہے
کہیں تو کس سے کہیں 'درد' اہلِ اُردو کا
سنے تو کون سنے، گوشِ گل بھی پتھر ہے
محاذِ جنگ پہ اردو نے کی رجز خوانی
وہ انقلاب کا نعرہ ابھی تو لب پر ہے
یہ اتحاد و محبت کے بانکپن کی ادا
یہی تو پیار کا سنگم ہے دل ہے دلبر ہے
زبان ہے جو محبت کے نرم لہجے کی
اسی کے سینے پہ نفرت کا تیز خنجر ہے
بتائے کوئی مسلمان کی زبان اس کو
کوئی کہے ہے کہ ہندی کا ایک پیکر ہے
ہنوز فرقہ پرستی کی زد میں ہے اردو
ریا کا جال بچھائے سفید کھدر ہے
صلاح دیتے ہیں کیا کیا لپی بدلنے کی
ہمارے خطے انھیں دشمنی سراسر ہے
ملا نہ کوئی علاقہ، ملی نہ کوئی زمیں
ٹھکانہ ان دنوں اردو کا آسمان پر ہے
لپی بدل کے جو اُردو کو ہند بانٹے ہے
اگر وہ کوئی مسلماں بھی ہے تو کافر ہے

جاوید وششٹ

قصہ "حسن و دل"

ایک ادبی لوک کتھا

"قصہ حسن و دل سے متعلق کچھ ادبی حقائق" زیر عنوان "ہماری زبان" ۱۵ جولائی ۱۹۹۱ء میں ڈاکٹر نورالسعید اختر رقمطراز ہیں:-

"کیا عجب ہے کہ ملا اسداللہ وجہی نے سوامی نند داس کا تالیف کردہ ناٹک دیکھا ہو کیونکہ سب رس کی ابتدا میں وہ "گوالیر کے چاتراں کی زبان" کی طرف واضح اشارہ کرتے ہیں۔ یہاں پروفیسر جاوید وششٹ کے ایک بیان کی تردید ہوتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ملا وجہی کے عہد میں قصہ حسن و دل نے لوک کتھا کا روپ دھار لیا تھا (نوائے ادب، جنوری ۱۹۷۶ء مضمون بعنوان "ملا وجہی پر سرقہ کا الزام غلط ہے")"

"کیا عجب ہے" کو بھی جانے دیجئے، مانا ملا وجہی نے سوامی نند داس کا تالیف کردہ ناٹک دیکھا اور یہ بھی صحیح کہ سب رس کی ابتدا میں وجہی "گوالیر کے چاتراں" کا ذکر بھی کرتا ہے۔ لیکن اس سے ہرگز میرے بیان کی تردید نہیں ہوتی کہ "ملا وجہی کے عہد میں قصہ حسن و دل نے لوک کتھا کا روپ دھار لیا تھا۔"

ڈاکٹر اختر نے ایک دعویٰ بے دلیل پیش کیا ہے۔ موصوف یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ "یہاں پر طویل بحث کی گنجائش نہیں۔" البتہ آگے چل کر موصوف کا یہ انکشاف دکنی ادب کی تاریخ تحقیق و تنقید میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے کہ

"وجہی کا علمی پس منظر نہایت وسیع تھا۔ وہ بڑی حد تک سنسکرت زبان سے بھی واقف تھے۔ لہٰذا قصہ حسن و دل انھوں نے سنسکرت، فارسی اور گوالیاری زبانوں میں دیکھا اور اس سے متاثر ہوئے"

ڈاکٹر نورالسعید اختر کا یہ تحقیقی انکشاف واقعی چونکا دینے والا ہے کہ ملا وجہی سنسکرت کے بھی ودوان تھے۔ لیکن یہاں بھی دعویٰ کے بعد کوئی دلیل یا ثبوت ندارد۔ میں انھیں دعوت فکر دیتا ہوں اور "طویل بحث کی گنجائش" بھی۔

قصہ حسن و دل (ملا وجہی) کے ماخذ سے متعلق ہمارے پاس ابھی تک بابائے اردو مرحوم کا ایک طویل بیان ہے جس میں مرحوم نے ملا وجہی پر سرقہ کا الزام بھی لگایا ہے کہ وجہی نے سارا قصہ فتاحی نیشاپوری سے اڑایا ہے۔ مولوی عبدالحق مرحوم نے اپنے دعویٰ کو پرزور طریقہ سے پیش کیا ہے۔ سب رس، مثنوی دستور عشاق اور قصہ حسن و دل کے طویل اقتباسات کے موازنہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ ملا وجہی کے ہاتھ فتاحی کا نثر پارہ قصہ حسن و دل ہی لگا۔ یہ نثر پارہ اصل میں مثنوی دستور عشاق کا ہی خلاصہ ہے۔ جدید تحقیق میں جناب دیوی سنگھ چوہان نے "پربودھ چندرودے" (سنسکرت ناٹک) کو کھوج نکالا جو کرشن مشر کی تصنیف ہے اور یہی ناٹک قصہ حسن و دل کا نقطہ آغاز ہے۔ غرض ہمارے پاس یہ ثبوت تو موجود ہے کہ ملا وجہی نے فارسی قصہ حسن و دل کے ذریعہ ہی سب رس تخلیق کی لیکن براہ راست سنسکرت یا گوالیاری سے استفادہ کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں۔ "کیا عجب ہے" مزاج تحقیق کے منافی ہے۔ ہاں اگر ڈاکٹر اختر کے پاس اس کا کوئی ثبوت موجود ہو تو وہ پیش کریں۔

میرا تجسس یہ ہے کہ قصہ حسن و دل لوک کتھا کا روپ دھار چکا تھا۔ ڈاکٹر اختر اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ قصہ حسن دل

آفتاب شمسی

غزل

رات ایسے کوئی اوڑھے ہوئے چادر جیسے
چاند کشکول لئے کوئی گداگر جیسے

پیڑ برگد کا یہ رات میں یوں ساکت ہے
پی کے بیٹھا ہو کوئی سات سمندر جیسے

کچھ نہیں ہم کو ملا سنگ ملامت کے سوا
گھر سے باہر بھی بہت لوگ تھے پتھر جیسے

جس کو چھوڑ آیا تھا ماضی کے دھندلکے میں کہیں
اب وہی آدمی چلتا ہو برابر جیسے

خود کو تنہا نہیں سمجھا کبھی تنہا ہو کر
وہ ہمیں دیکھ رہا ہو کہیں چھپ کر جیسے

خیر مقدم کو نیا راستہ یوں ہے تیار
باندھ کر کوئی اٹھا ہو ابھی بستر جیسے

اجنبی تم ہی اکیلے نہیں شمسی دیکھو
اس بھرے شہر میں سب لگتے ہیں بے گھر جیسے

کے ضمن میں کرشن مشر کی "پربودھ چندرودے" (۱۰۵۰-۱۰۶۵ء) کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ جناب دیوی سنگھ چوہان نے یہ انکشاف سب سے پہلے ایک مراٹھی پرچے میں کیا تھا۔ چوہان صاحب کا حوالہ ڈاکٹر نور السعید اختر نے "قصۂ حسن و دل مختلف زبانوں میں" کے عنوان سے "شیرازہ" (سری نگر، جلد ۸ شمارہ ۲) میں دیا ہے۔ غالباً اسی میں یہ اضافہ ڈاکٹر اختر نے کیا ہے کہ ملا وجہی نے براہ راست سنسکرت سے "تاثر حاصل کیا"۔

میں یہاں اپنے نظریے کی تائید میں کچھ ٹھوس حقائق ڈاکٹر اختر کے ہی حوالے سے پیش کرتا ہوں، یہ ثابت کرنے کے لیے کہ کرشن مشر کا ناٹک پربودھ چندرودے (سنسکرت) اب تک کی تحقیق کا حاصل ہے، ممکن ہے پربودھ چندرودے سے بھی پرانا کوئی اس موضوع پر ناٹک مل جائے۔

سنسکرت الاصل قصۂ حسن و دل کا خالق[1] گیارہویں صدی عیسوی کا ایک ہندوستانی برہمن کرشن مشر ہے۔ کرشن مشر گڑھ دیاب کے راجا کیرتی ورما کے مصاحبوں میں سے تھا۔ چیدی (بندیل کھنڈ) کے راجا کرن دیو نے کیرتی ورما پر حملہ کیا اور اسے شکست دی۔ کیرتی ورما جان بچا کر اپنے ایک نمک خوار گوپال کے پاس چلا گیا۔ گوپال کی مدد سے کرن دیو پر کیرتی ورما نے ۱۰۶۵ء میں چڑھائی کی اور اپنے علاقے پر دوبارہ قابض ہو گیا۔ کرشن مشر کیرتی ورما کا ہمعصر تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ کرشن مشر نے اپنا بے مثال ڈراما "پربودھ چندرودے" (۱۰۵۰-۱۰۶۵ء) کے آس پاس قلم بند کیا۔ سنسکرت کے قدیم ادب میں کرشن مشر کی پربودھ چندرودے کو اہم مقام حاصل ہے۔ ۱۹۳۶ء تک یہ ڈراما کئی بار شائع ہوا۔ کرشن مشر کی تصنیف کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ مختلف زبانوں کے ادیبوں اور شاعروں نے اس قصہ کا ترجمہ کرنا شروع کیا اور بقول دیوی سنگھ چوہان:

"پربودھ چندرودے ناٹک کا اثر ہندوستان
اشیا میں، ایران اور ترکستان ملکوں اور
انگلینڈ پر بھی پڑا۔ گجراتی ادب پر "پربودھ چندرودے"
کے اثرات قدیم ترین نظر آتے ہیں۔"

مختلف زبانوں میں قصۂ حسن و دل کی طویل فہرست ہے۔ میں یہاں صرف ایک مختصر سا خاکہ پیش کرتا ہوں۔ کرشن مشر سے ملا وجہی تک ملاحظہ کیجیے:-

زبان	سن تصنیف	زمانے کا فرق	نام مصنف	نام کتاب
سنسکرت	۱۰۵۰ء تقریباً	اصل قصہ	کرشن مشر	پربودھ چندرودے
گجراتی	۱۳۵۸ء	اصل قصہ کے تقریباً ۳۰۸ سال بعد	جین پرچارک	پربودھ چنتامنی
فارسی ایران	۱۴۳۹ء	۳۸۹ " "	فتاحی	مثنوی دستور عشاق؛ نثر حسن و دل (نثر)؛ شبستان خیال (نثر) ۱۴۳۹ء
ترکی	۱۵۱۶ء	۴۶۶ سال بعد	لامعی	حسن و دل
فارسی (ہند)	۱۵۵۵ء	۵۰۵ "	مرزا صلاح الدین عرفی	مثنوی حسن و دل
دکھنی اردو	۱۶۳۵ء	۵۸۵ "	ملا وجہی	سب رس

مزے کی بات یہ ہے کہ فتاحی نے بھی ملا وجہی کی طرح اپنی تینوں تصانیف میں جو قصۂ حسن و دل پر مبنی ہیں، کہیں بھی قصے کے ماخذ کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ فتاحی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ اس نے اس تمثیل پیرایۂ بیان کی خوشہ چینی کس ادب سے کی ہے۔ البتہ فتاحی نے حقیقت کی طرف عارفانہ پردہ داری کے ساتھ خفیف سا اشارہ کر دیا ہے۔ دستور عشاق میں فتاحی کا اشارہ "اپنے پیر والا" کی طرف اس طرح ہے:

به مشرق رہ نمود وش پیر والا
زمینی دست قدرش ساخت بالا

نظر از خاک مشرق شد طربناک
کہ ہست اشراق نور حق از خاک

ان اشعار سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا "پیر والا" مشرق کا باشندہ ہے لیکن واضح طور پر اس کا نام کہیں نہیں ملتا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرقہ کا الزام نہ فتاحی پر عاید ہوتا ہے اور نہ ملا وجہی پر، اور نہ ہی مختلف زبانوں کے دوسرے ادبا و شعرا پر جنھوں نے قصۂ حسن و دل کو اپنے اپنے انداز سے پیش کیا ہے۔ کیونکہ قصۂ حسن و دل اس طویل مدت میں ایک لوک کتھا کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اور مختلف ادبیات اور مختلف ممالک میں تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ رائج ہو چکا تھا۔ جسے فتاحی نے کرشن مشر سے تقریباً ۳۸۹ سال بعد اور ملا وجہی نے ۵۸۵ برس بعد دکھنی اردو میں پیش کیا تھا۔

ملا وجہی نے سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی کہ "انسان کے وجود بیچ میں کچھ عشق کا بیان کرنا، اپنا ناؤں عیاں کرنا، کچھ نشان دھرنا۔"

اسی لوک کتھا کی طرف ایک مبہم سا اشارہ ملتا ہے۔ دیباچہ سب رس میں وجہی کے یہ جملے بھی بڑے معنی خیز ہیں:-

"آنا نوی بات پاڑیا، گھاڑیا سو گنج کاڑیا۔ کچھ نہیں تھا سو پیدا یا جی دکھلایا۔"
(قصۂ حسن و دل ص ۱۱۵)

"گھاڑیا سو گنج کاڑیا" سے صاف ظاہر ہے کہ قصۂ حسن و دل

[1] "پربودھ چندرودے اور دستور عشاق" از دیوی سنگھ چوہان، ماہنامہ "اپیکشا"، اپریل ۱۹۶۹ء، بحوالہ "قصۂ حسن و دل مختلف زبانوں میں" ڈاکٹر نور السعید اختر، شیرازہ، ص ۵۳۔

کا وجود تو تھا مگر ایک دفینے کی صورت میں تھا جسے وجہی نے کھود کر نکالا۔ "کچھ نہیں تھا" بھی اس بات کا ثبوت ہے قصۂ حسن و دل کی کوئی ادبی حیثیت (دکنی ادب میں) نہیں تھی۔ صرف ایک لوک کتھا تھی۔ وجہی نے اسے ایک ادبی شاہکار کا درجہ بخشا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وجہی نے قصۂ حسن و دل کو لوک کتھا کا ہی لب و لہجہ اور روپ دیا ہے۔ یہ لب و لہجہ ملاحظہ کیجئے:۔

"ایسے میں یوں ہوا خدا کا فرمان، عشق کے تن میں بھوتیچہ تلملنے لگیا پران۔"

یا "القصہ کہ جس وقت تو بہ غمزے کے لشکر تی شکست کھایا، سو بدن کے شہر کے ادھر روانہ ہو کر عقل کنے آیا۔"

یا "بلنے عقل دل کا اُجالا، بھوتیچہ خوب سب بھوتیچہ آلا، یو بات سمجھایا، یہی قصہ کنے تھے سو آیا۔"

غرض حمد ہی سے سب رس کا انداز بیان کچھ ایسا ہوتا ہے جیسے ملا وجہی قطب شاہی دربار سے نکل کر کسی چوراہے پر بیٹھا عام لوگوں کو ان ہی کے لب و لہجہ میں ایک تخیلی داستان سنا رہا ہو۔ اس حکایت کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک "پند و نصیحت" اور دوسری "جنس"۔ دونوں متضاد تقاضوں کا سنگم ہے سب رس۔ اور ملا وجہی ان دونوں تقاضوں کو کما حقہٗ پورا کرتا ہے۔ وجہی کی فنکارانہ حسن کاری میں ایک لطیف جنسی جذبہ کی آمیزش ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں ایک گنگناتا ہوا سنگیت ہے ترنم ہے۔ زبان و بیان کا یہ ترنم بھی سب رس کو لوک کتھا کے بہت قریب لے جاتا ہے۔ قصۂ حسن و دل میں وجہی کی دو غزلوں کے علاوہ ہندی دوہرے، فارسی اور اردو اشعار کی تعداد ۲۴۶ ہے۔ یہ اشعار بھی ٹھمری کے طرز کے ہیں۔ خان رشید صاحب (اردو کی تین مثنویاں تک) میں ان اشعار سے متعلق رقمطراز ہیں:۔

"سب رس میں جتنے اشعار استعمال کئے گئے ہیں ان میں سے ایک بھی قطب مشتری سے متعلق نہیں حالانکہ موضوع کی مناسبت سے خیالات کی توضیح کے لئے جہاں جہاں اشعار پیش کئے گئے وہاں مثنوی قطب مشتری کے متعلقہ اشعار کہیں زیادہ موزوں اور برمحل ہوتے۔"

مگر خان رشید نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ قطب مشتری کے ادبی اشعار سب رس کی عوامی فضا میں اتنے نہیں کھپ سکتے تھے جتنے موجودہ سیدھے سادے اور صاف اشعار۔ وجہی کی دو غزلیں جو سب رس میں موجود ہیں وہ ان جملہ اشعار سے زیادہ حسین ہیں۔ لیکن وجہی قصہ کے دوران موقع و محل کے مطابق داستان کی فضا کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے عوامی لب و لہجہ میں فی البدیہہ شعر کہتا ہے۔ مثلاً حمد میں ہی ایک شعر ہے ؎

دھنی جو دھرتی دھریا اور بھی دھرے سو ہوئے
کسی سے کرنے تے کیا ہوئے خدا کرے سو ہوئے

اب اس شعر کی جگہ قطب مشتری کا کوئی شعر رکھئے تو سب رس کے مزاج اور ماحول میں انمل اور بے جوڑ ہو کر رہ جائے گا۔ سب رس کو اس کی زبان و بیان، اس کی موسیقی، عوامی لب و لہجہ اور ٹھیٹ ہندی نے لوک کتھا اور ٹھمری کا سا رنگ و آہنگ دے دیا ہے۔ اس کے بعض اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

سب کسی کوں خدا مراد دیوے
اس کی محنت کی اس کوں داد دیوے

پرائے شہر میں ہرگز خدا کسے نہ لے جائے
اگر ہزار بھلا ہے بلی تو اس کوں کون پتیائے

اگر کوئی مرد ہے یا استری ہے
دنیا میں سب دغا بازی بھری ہے

عجب جالیں بھری ہیں عورتاں یو
نہ جانے کاں تی سکھیاں مکراں یو

دل کو اپنے اچاٹ خوب نہیں
گھر میں دائم کچاٹ خوب نہیں

غرض ان اشعار میں سیدھی سادی ٹکسالی ہندی ہے شاعرانہ فنکاری نہیں ہے۔ وجہی نے عمداً سب رس کو لوک کتھا کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس لئے میری رائے میں سب رس لوک کتھا اور ٹھمری کے زیادہ قریب ہے۔ اسے ایک ادبی لوک کتھا کہا جا سکتا ہے۔

سید فضل امام رضوی

"ہدایت الطالبین"

ایک غیر مطبوعہ کتاب

بلرام پور (گونڈہ) ڈگری کالج میں اردو، فارسی اور عربی کے مخطوطات و مطبوعات کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے۔ اگرچہ اس کتب خانے کی اکثر تصانیف طب، "تاریخ" اور دیگر علوم سے متعلق ہیں لیکن بعض ادبی تصانیف بھی اس میں مل جاتی ہیں "یادگار بہادری" جس کے دنیا میں نسخے کمیاب ہیں اس کا ایک اچھا قلمی نسخہ یہاں موجود ہے جو غالباً مصنف کے اپنے ہاتھ کا نسخہ ہے جس پر استاد محترم ڈاکٹر محمود الٰہی، صدر شعبہ اردو، گورکھپور یونیورسٹی نے اپنی کتاب "بازیافت" میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوستان میں تعلیم کی ترقی کے لئے جو اقدامات کئے گئے ہیں ان میں سے اس بات کو امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ نصاب میں شامل کرنے کے لئے ایسی کتابیں تصنیف کرائی جائیں جن سے ایک طرف تو انگریزی تہذیب و تمدن کی طرف لوگوں کو رغبت ہو اور دوسری طرف مالی منفعت بھی۔

گذشتہ صدی کے نصف آخر میں جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان میں سے اکثر میں اسی جذبے کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ مولوی مفتی عصمت اللہ میرٹھی کی زیر بحث تصنیف بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

"ہدایت الطالبین" مولوی مفتی عصمت اللہ میرٹھی کی تصنیف ہے۔ اسے مصنف نے ۱۸۷۴ء میں مہاراجہ ڈگ وجے سنگھ والی ریاست بلرام پور (گونڈہ) کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ نسخہ بادامی کاغذ ۸ × ۵ کی تقطیع اور ۱۸۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آخر میں فارسی میں مصنف کا کہا ہوا قطعہ تاریخ بھی درج ہے ؎

ریخ افسانہ گفتہ ایم دلے   بر زبان رفت حرف پند آمیز
از پئے طالبان دانش و علم   بنگریں داستان شوق انگیز

۱۲۹۲ھ

"داستان شوق" سے ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء برآمد ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بھی جو قطعات تاریخ درج ہیں ان سے بھی مندرجہ بالا سنین ہجری و عیسوی برآمد ہوتے ہیں۔ اس نسخے کو مصنف کے شاگرد کالکا پرشاد نے نقل کیا ہے۔ کتاب کے اختتام پر مصنف کی دستخط مع سکونت محلہ کوٹ شہر میرٹھ مورخہ ۲۰ر ستمبر سنہ مرقوم ہے۔

مندرجہ بالا کتاب مصنف نے مبتدیوں کے لئے تصنیف کی ہے جو طلب علم کا شوق رکھتے ہیں۔ مصنف کے بیان کے مطابق اسے عرصہ سے کتب بینی سے دلچسپی اور شوق ہے مگر اس کی نظر سے ایسے رسائل اور کتابیں نہیں گزریں جو تحصیل علم کے فوائد اور اس کے ضوابط و قواعد سے آراستہ ہوں اور جسے شائقین علم مشعل راہ بنائیں۔

اس دور میں اردو میں تمثیل لکھنے کا رواج عام تھا یہاں اس کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ نذیر احمد کے ناول بھی تمثیلیت سے دامن نہیں بچا سکے۔ اس کتاب کا قصہ بھی طبع زاد ہے جو طالب عزت، طالب علم، علم دوست، مانع علم اور ادیب کے فرضی لیکن مثالی کرداروں سے تیار کیا گیا ہے اور انھیں کرداروں سے علم کی قدر و منزلت، معیار درس و تدریس، بے ثباتی دنیا اور دولت پر بے لاگ اور بھرپور تبصرہ کرایا گیا ہے۔ اس کے مکالمے جاندار اور سبق آموز ہیں۔ نفس قصہ مصنف کی ذاتی تحقیق، مشاہدہ اور تجربہ کا نچوڑ ہے۔

علی گڑھ تحریک کے زیر اثر اس زمانہ میں جس طرح کے اصلاحی، سماجی اور معاشرتی مضامین، کتابیں اور ناولیں نذیر احمد، محسن الملک، ذکاء اللہ اور سر سید احمد وغیرہ نے سپرد قلم کی ہیں ان سب تصانیف کا اس تصنیف پر گہرا اثر ہے چنانچہ کرداروں کے ذریعہ مکتبی اور روایتی تعلیم سے تنفر اور انگریزی تعلیم سے دلچسپی کے رجحان کو بڑھاوا دیا گیا ہے۔

پند و نصیحت کے لئے تاریخی و نیم تاریخی روایتوں کا خلاصہ بھی مکالموں کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے جس سے مکالمے خاصے طویل اور پیچیدہ ہو گئے ہیں اس کتاب پر داستانوں کی گہری چھاپ ہے اس لئے یہ ناول کے معیار پر پوری نہیں اترتی، لیکن یہ اپنے انداز کی ایک جداگانہ تصنیف ہے جس میں کسب علم و ریاضت مسئلہ تعلیم کو کرداروں کے ذریعہ موثر اور کامیاب طریقہ سے قلم بند کیا گیا ہے۔

کتاب کی زبان نہایت صاف، شستہ، سلیس اور سادہ ہے محاوروں اور فقروں کے استعمال میں بھی روزمرہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ثقیل اور ادق نامانوس الفاظ اور تراکیب، فارسی امثال اور غیر ملکی حکایات اور اشعار وغیرہ سے احتراز کیا گیا ہے، بلکہ دہلی، لکھنؤ اور میرٹھ کے علاقہ میں عام طور پر بولی جانے والی بولیوں کا حسین امتزاج ملتا ہے چنانچہ سبھی علاقے اور طبقے کے افراد بخوبی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ان خصائص کے باوصف یہ کوئی بہت اہم تصنیف نہیں ہے بس یہ اس وقت کی نصابی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے اس کا اسلوب بھی ادبی سے زیادہ عالمانہ اور معلمانہ ہے۔ مصنف کی کم سے کم ایک اور کتاب "روشن رہا" ۱۸×۲۲ سائز کے ۸۰ صفحات پر ۱۸۹۵ء میں شائع ہو چکی ہے بہت ممکن ہے کہ اس مصنف کی اور بھی تصنیفات ہوں جن کا علم راقم السطور کو نہیں ہے۔ یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ مصنف کی یہ کتاب شائع ہو چکی ہو لیکن اس کی شہرت عام نہ ہو سکی ہو۔

مراسلات

ڈاکٹر بجنوری اور تدوین دیوانِ غالب

محولہ بالا عنوان سے راقم السطور کا ایک مضمون "نیا دور" لکھنؤ کے اگست ۱۹۹۱ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں حسین میاں نامی ایک شخص کا خط نقل ہوا ہے، جس میں بھوپال سے متعلق کئی اشخاص کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے دو کے بارے میں تو میں نے حاشیے پر وضاحت کر دی تھی، باقی کے متعلق وضاحتی نوٹ دینے سے قاصر تھا۔ میرا مضمون پڑھ کر ڈاکٹر ابو محمد سحر صاحب نے ازراہِ کرم باقی اشخاص کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے شکریے کے ساتھ وہ معلومات یہاں درج کی جا رہی ہیں۔

(۱) ماسٹر صاحب: ماسٹر صاحب سے مراد ماسٹر ولی محمد ہیں جو نواب زادہ حمید اللہ خاں کے اتالیق اور اسسٹنٹ کونسل کے سکریٹری تھے۔

(۲) مسعود صاحب: مسعود احمد وارثی، بھوپال میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات تھے۔

(۳) مولوی نور الاسلام صاحب: ڈاکٹر بجنوری کے والد کا نام ہے۔

(۴) ابو محمد صاحب: ابو محمد مودودی، میونسپل بورڈ میں ایگزیکیٹو آفیسر اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کے بھائی تھے۔

لیکن حسین میاں کے متعلق ابھی تک معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھے اور ڈاکٹر بجنوری سے ان کے روابط کی نوعیت کیا تھی۔

گورکھپور۔ • (ڈاکٹر) احمر لاری

دیباچہ پند نامہ سعدی؟

"دو غلط فہمیاں" کے عنوان سے ہماری زبان مورخہ ۸ر نومبر ۱۹۹۱ء میں تنویر اقبال صاحبہ کا مضمون پڑھا۔ صفحہ ۳ کے دوسرے کالم کی ۲۵ ویں سطر پر انھوں نے لکھا ہے:

"۱۸۰۲ کے ایڈیشن میں قواعد کے ساتھ گل کرسٹ کا کیا ہوا پند نامہ سعدی کا ترجمہ اور انھی کا لکھا ہوا ایک طویل دیباچہ بھی منسلک ہے۔"

میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آیا یہ دیباچہ پند نامہ سعدی پر لکھا گیا ہے یا دستورِ زبان کے کسی دیگر رسالے پر؟ اگر یہ دیباچہ پند نامۂ سعدی پر ہے تو مجھے اس کی نقل درکار ہے کیونکہ میں فارسی شعرا کے متعلق ایک مقالہ لکھنا چاہتا ہوں۔ امید ہے مقالہ نگار اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمائیں گی اور مجھے تفصیل سے بتائیں گی کہ یہ دیباچہ کس طرح اور کہاں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

دہلی۔ • یونس جعفری، دہلی کالج
دہلی-۶

تصحیح

۱۵ر نومبر کے ہماری زبان میں مراسلات کے تحت "یہ اردو کے نصاب" کے زیرِ عنوان مراسلہ نگار جناب چودھری محمد نعیم کا نام سہواً لکھنے سے رہ گیا ہے۔ قارئین ہماری زبان نوٹ فرمائیں۔

ادارہ

اخبار و اذکار

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کا سالانہ جلسہ

حیدرآباد:۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے ایک پریس نوٹ میں بتلایا گیا ہے کہ انجمن کے کارکنوں اور ہمدردوں کا سالانہ اجتماع جو ۹ رجنوری ۱۹۸۲ء کو منعقد ہونے والا ہے۔ اس سے قبل ۸ رجنوری ۱۹۸۲ء کی صبح میں اردو میڈیم کے اساتذہ کا خواہ وہ کالجوں میں پڑھاتے ہوں یا اسکولوں میں، ایک مشاورتی جلسہ منعقد ہوگا جس میں درس و تدریس کے مسائل پر غور کیا جائے گا۔ اس مشاورتی اجتماع کے کنوینر ڈاکٹر حسینی شاہد پرنسپل اردو آرٹس کالج ہیں۔

اسی دن یعنی ۸ رجنوری ۱۹۸۲ء کی سہ پہر میں انجمن کی (۸۰) شاخوں کے صدور و معتمدین کا ایک خصوصی اجتماع عمل میں آئے گا تاکہ آندھرا پردیش میں اردو کے مسائل کے ساتھ ساتھ انجمن کے تنظیمی مسائل پر بھی غور کیا جا سکے۔

جناب حبیب الرحمن صاحب معتمد عمومی نے انجمن کی تمام شاخوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں ختم دسمبر ۱۹۸۲ء تک اردو کے کارکنوں اور ہمدردوں کے اجتماعات طلب کرکے اردو کے موجودہ مسائل کے تعلق سے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کریں۔

• معتمد سرخیو اس لاہوتی

دسویں جماعت اردو کا قیام

ضلع پریشد ہائی اسکول نماز پور میں ماہ جون سنہ ۱۹۸۲ء میں دسویں جماعت اردو کا قیام عمل میں آچکا ہے اور تعلیم کا بھی آغاز ہو گیا ہے لیکن اردو گریجویٹ کی جائداد کا قیام ہنوز عمل میں نہیں آیا اس وقت دس اردو جماعتوں کو صرف آٹھ مدرسین تعلیم دے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں مسٹر جی نرسمہا ریڈی صدر نشین ضلع پریشد عادل آباد کے دورے کے موقع پر جناب عبدالجبار خاں صدر اڈہا کٹی انجمن ترقی اردو نے ذریعہ یادداشت مطالبہ کیا ہے کہ اردو گریجویٹ یا بغیر اردو پنڈت کی جائیداد فوری قائم کی جائے اور جونیر اردو پنڈتوں کو ان جائدادوں پر ترقی دی جائے یا جدید تقررات عمل میں لائے جائیں جس پر صدر نشین ضلع پریشد نے تیقن دیا ہے کہ جلد انتظام کیا جائے گا۔

• رہنمائے دکن

اردو طلبہ کے لئے اعلیٰ تعلیم اور روزگار کی سہولتوں کا مطالبہ

حیدرآباد:۔ طلبہ لیڈر خلیل پاشاہ کی زیر صدارت کام کرنے والی "تلنگانہ ایجوکیشن فرنٹ" کی عاملہ نے (۸) قراردادیں منظور کرتے حکومت کو انتباہ دیا ہے کہ اگر ان کی عمل آوری نہیں کی گئی تو پھر تلنگانہ مدارس کا بڑے پیمانے پر مقاطعہ شروع کر دیا جائے گا۔ پہلی قرارداد کے ذریعہ تلنگانہ میں جونیر کالجس کی تعداد میں فوری اضافہ کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ فوقانی امتحانات کامیاب شدہ ہزاروں طلبہ داخلے سے محروم ہیں۔

دوسری قرارداد کے ذریعہ جونیر کالجس میں لکچرار کی شکایت کرتے ہوئے فوری طور پر ان کی تعداد میں اضافہ اور تیسری قرارداد کے ذریعہ فوری طور پر جونیر کالجس اور فوقانی مدارس کی یکجائی کو علحدگی میں بدلنے کی اپیل بھی کی گئی ہے۔

پانچویں قرارداد کے ذریعہ جونیر کالجس کی امتحانی فیس کو کم کرنے کی مانگ کی گئی ہے چھٹویں قرارداد میں اس بات کی شکایت کی گئی ہے کہ عثمانیہ میٹرک (قدیم) میں سال حال (۱۰) ہزار طلبہ کی کامیابی کے باوجود حکومت تلنگانہ میں صرف دو کالجس قائم کرنا چاہتی ہے جو بنیادی طور پر غلط ہے۔

ساتویں قرارداد میں ریاستی حکومت سے پر زور مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ تلگو طلبہ کی طرح اردو طلبہ کو بھی یونیورسٹی سطح پر تعلیم اور سرکاری ملازمتوں میں مناسب حصہ دینے کی واضح ضمانت بھی دے۔

• سیاست حیدرآباد

اردو تعلیم اور جونیر کالجوں کے طلبہ کے مسائل

حیدرآباد:۔ جناب غوث محی الدین صدر اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے اپنے ایک بیان میں ریاستی چیف منسٹر جناب پی۔ وی نرسمہا راؤ کے اس بیان پر سخت تنقید کی ہے کہ ملازمتوں میں صرف تلگو میں مہارت رکھنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔

انھوں نے کہا کہ چیف منسٹر کو اپنے اس بیان پر نظر ثانی کرنی چاہئے تاکہ دوسری زبان کے طلبہ اپنے مستقبل سے مایوس نہ ہو سکیں جناب غوث نے کہا کہ . . . .

. . . اردو کے ساتھ حکومت کا رویہ مبہم سا ہے۔ چنانچہ گورنمنٹ سٹی کالج میں اردو کی ڈگری کورسس جماعتوں نیز دیگر جامعات میں اردو کی انٹرمیڈیٹ جماعتوں کے قیام کا مسئلہ حکومت کے لئے لمحۂ فکر ہے۔ بیان میں چیف منسٹر سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ جونیر کالجس کے طلبہ کے مسائل کو حل کریں۔

بیان میں ایچ ایس سی اور عثمانیہ میٹرک کے کمپارٹمنٹل کامیاب طلبہ کو انٹرمیڈیٹ میں داخلہ کی اجازت دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ اگر مسائل کی یکسوئی نہ کی گئی تو طلبہ احتجاج کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔

• قومی آواز لکھنؤ

اردو کے تعلق سے چیف منسٹر کا رویہ قابل تشویش

حیدرآباد: جناب یوسف رحمت اللہ معتمد عمومی انڈین یونین مسلم لیگ آندھرا پردیش نے چیف منسٹر جناب پی۔ وی۔ نرسمہا راؤ کے اس بیان پر کہ ریاست میں ذریعہ تعلیم صرف تلگو ہی ہوگا۔ سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ انداز بیان امراء کو تو ہو سکتا ہے لیکن کسی جمہوری مملکت کے ریاستی چیف منسٹر کا نہیں ہو سکتا تلگو کی ترقی سے ہر ایک کو دلچسپی ہے لیکن جب تک اس کے معیار کو بلند نہیں کیا جاتا اس قسم کا فیصلہ جذباتی ہی ہوگا۔

انھوں نے اپنے صحافتی بیان میں کہا کہ چیف منسٹر نے ریاست کی دوسری زبان اردو کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے اردو کے تعلق سے چیف منسٹر کا رویہ قابل تشویش ہے بلکہ اس کو اردو دشمنی کا نام دیا جا سکتا ہے۔

انھوں نے اردو اداروں خصوصاً انجمن ترقی اردو اور ادارہ ادبیات اردو سے اپیل کی ہے کہ وہ اس ضمن میں دلچسپی لیں اور چیف منسٹر کو پچھلے وعدے یاد دلائیں۔

• رہنمائے دکن

کلکتہ گرلس کالج میں اردو شعبہ کے قیام کا وعدہ

چاندنی چوک اسٹریٹ کلکتہ ۱۳ میں واقع کلکتہ گرلس ایوننگ کالج کی پرنسپل نے اردو کا شعبہ کھولنے کی درخواست پر ہمدردانہ غور کرنے کے بعد کہا ہے کہ پری یونیورسٹی اور ڈگری کورس میں اگر کم از کم دس لڑکیاں اردو پڑھنے پر رضامند ہو جائیں تو انھیں شعبۂ اردو کے قیام اور پروفیسر کی خدمات لینے سے کوئی انکار نہیں ہوگا لہذا اردو نواز طالبات کے لئے سنہرا موقع ہاتھ آیا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اس کالج میں داخلہ لے کر اردو دوستی کا ثبوت دیں۔

• ہند کلکتہ

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

۱۔ دیوان درد

مرتب: رشید حسن خاں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر نئی دہلی

قیمت: ۲ روپے ۵۰ پیسے

صفحات: ۱۲۰

۲۔ مجالس النساء

مرتب: صالحہ عابد حسین

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر نئی دہلی

قیمت: دو روپے پچاس پیسے صفحات: ۱۵۲

۳۔ ہندی فلسفہ

مترجم اکبر حسین زارنگ، مرتب ڈاکٹر جامعہ مسعود

قیمت: نو روپے، صفحات: ۲۴۰

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی

۴۔ امراؤ جان ادا

مرتب ڈاکٹر محمد حسن

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی

قیمت: ۶ روپے، صفحات: ۲۴۲

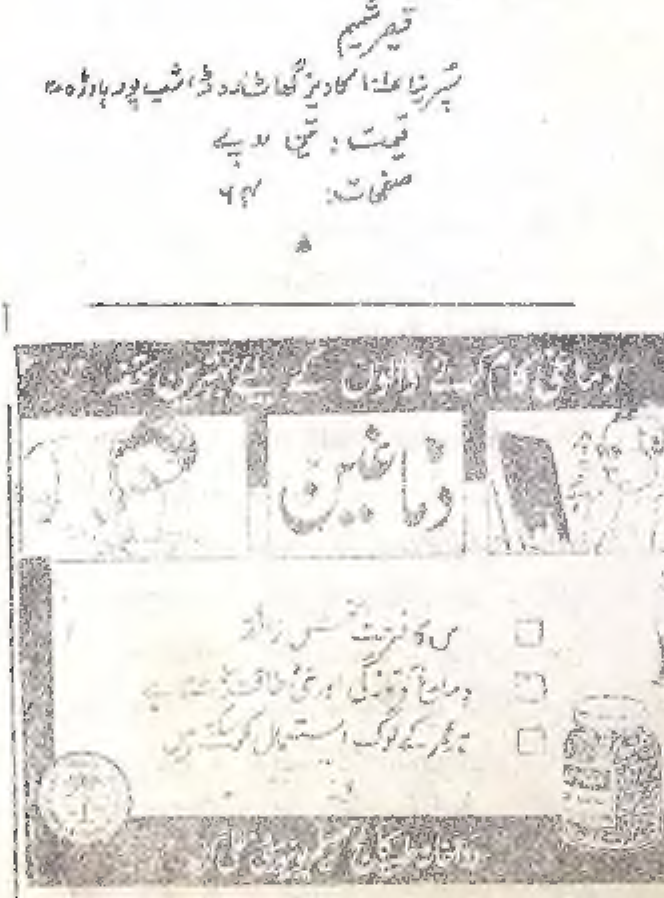
۵۔ ساحلوں کا سمندر

قیصر شمیم

ناشر: رابطہ اکادمی گھاٹ روڈ، شیب پور ہاوڑہ ۲

قیمت: تین روپے

صفحات: ۶۴



ہماری زبان

سے خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ منیجر

اردو گھر فنڈ

۱۶؍اکتوبر ۱۹۷۱ء سے ۸؍نومبر ۱۹۷۱ء تک کے اردو گھر فنڈ کی تفصیل۔

۵ روپے بھیجنے والے معطی کا نام

معرفت سکریٹری صاحب ادارۂ شب پور ہوڑہ

۱۔ شکیلہ خاتون۔

۵۰ روپے بھیجنے والے معطیان

معرفت جناب عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست حیدرآباد

۲۔ جناب صدر الدین صاحب ۳۔ جناب سونا صاحب

۴۔ " چند باس آپا " ۵۔ محترمہ دیجے لکشمی ٹورسٹ ایجنسی

۶۔ " پی۔ اے۔ ٹی کمپنی " ۷۔ جناب عثمان اشرف صاحب

۸۔ " محبوب علی " ۹۔ " عابد علی خاں "

۱۰۔ محترمہ منیر النساء صاحبہ ۱۱۔ " زاہد علی خان وشاہد علی خاں "

دس روپے بھیجنے والے معطیان

۱۲۔ محترمہ سلیم یٰسین علی خاں صاحبہ ۱۳۔ محترمہ مسز تسنیم مسعود یزدانی صاحبہ

۱۴۔ جناب میر یٰسین علی خاں صاحب ۱۵۔ جناب محمد صلاح الدین صاحب

۱۶۔ " احمد عبد العظیم الخیز " ۱۷۔ محترمہ نفیس النساء صاحبہ

۱۸۔ محترمہ طیبہ بیگم صاحبہ ۱۹۔ " وقار النساء بیگم "

۲۰۔ " افتخار النساء بیگم " ۲۱۔ جناب نواب ذوالفقار علی خاں صاحب

۲۲۔ جناب غلام احمد صاحب ۲۳۔ " پیر بھائی "

۲۴۔ " محمد اسماعیل " ۲۵۔ " میر مشرف حسین "

۲۶۔ ایک ہمدرد ۲۷۔ ایک ہمدرد

۲۹۔ ایک ہمدرد ۳۰۔ "

۳۱۔ " ۳۲۔ "

۳۳۔ جناب پیر محمد پیج غلام علی " ۳۴۔ جناب محمد پیر بھائی "

۳۵۔ " سلیم پیر بھائی " ۳۶۔ " خیرن پیر بھائی "

۳۷۔ " دلشاد پیر بھائی " ۳۸۔ " جناب اللہ یار خاں "

۳۹۔ " محمد یٰسین ۴۰۔ محترمہ انجم رخسانہ صاحبہ

۴۱۔ " صادق " ۴۲۔ جناب محمد حسن

۵ روپے بھیجنے والے معطیان

۴۳۔ جناب ریاست علی ایڈوکیٹ (دہلی) ۴۴۔ جناب ریاست علی ایڈوکیٹ (اٹاوہ)

۴۵۔ " محمود حسین " ۴۶۔ " حیدر بیگ "

۴۷۔ نام پڑھا نہیں گیا ۴۸۔ " اسد اللہ حسینی "

۴۹۔ " احمد حسین " ۵۰۔ " سید رحیم الدین "

۵۱۔ " سید رحیم الدین " ۵۲۔ " محمد شمس الدین اعظمی "

۵۳۔ " محمد شمس الدین " ۵۴۔ " محمد حسن ایڈوکیٹ "

۵۵۔ " امان اللہ " ۵۶۔ " رحمت اللہ "

۵۷۔ جناب غوث الدین صاحب ۵۸۔ جناب جہاں دار علی صاحب

۵۹۔ محترمہ صالحہ طیب جی صاحبہ ۶۰۔ محترمہ صالحہ طیب جی صاحبہ

۶۱۔ جناب پروفیسر ضیاء الدین انصاری ۶۲۔ " مسز رضیہ عمران احمد خاں "

۶۳۔ " رام کشن بھیش صاحب ۶۴۔ جناب محمد یونس صاحب

۶۵۔ " عبد الرب صاحب ۶۶۔ " عبد الرب "

۶۷۔ " معین نواز خاں صاحب ۶۸۔ " معین نواز خاں "

۶۹۔ " امین الدین " ۷۰۔ " عبد الرؤف "

۷۱۔ " اکرام اللہ " ۷۲۔ " اکرام اللہ "

۷۳۔ " " " ۷۴۔ " " "

۷۵۔ " " " ۷۶۔ " " "

۷۷۔ " " " ۷۸۔ " " "

۷۹۔ " " " ۸۰۔ " " "

۸۱۔ " " " ۸۲۔ " " "

دو دو روپے بھیجنے والے معطیان بذریعہ پروفیسر آفاق احمد ۳ / ۱۸۴ بیدہ نمبر ۲ کالونی بھوپال

۸۳۔ جناب قمر سعید صاحب ۸۴۔ " سید مظفر علی "

ایک روپے بھیجنے والے معطیان

۸۵۔ جناب بی۔ پی کپور صاحب ۸۶۔ جناب سید ذاکر علی "

۸۷۔ " رحیم الدین انصاری " ۸۸۔ " عصمت علی خاں "

۸۹۔ " سید حامد علی " ۹۰۔ " ستیہ پال اروڑا "

۹۱۔ " صولت سعید " ۹۲۔ " افتخار حسین "

۹۳۔ " خورشید احمد " ۹۴۔ " ایس مظہر حیدر "

۹۵۔ " سید آفاق حسین "

میزان حال ۰۰ ، ۱۰۱۵

" سابق ۸۱ ، ۱۸۲۵۲

" کل ۸۱ ، ۱۸۲۶۷

تصحیح

۱۸؍اکتوبر کے شمارے میں "اردو گھر فنڈ" کے زیر عنوان ۹ نمبر پر معطیہ کا نام صالحہ اختری کی بجائے صالحہ خاتون اور ۱۵؍اکتوبر کے شمارے میں اسی عنوان کے تحت نمبر ۴ پر معطیہ کا نام اختری بیگم کی بجائے کوثر جہاں پڑھا جائے۔ یہ روپیہ ادارۂ فروغ اردو، شب پور کے سکریٹری صاحب کی معرفت وصول ہوا ہے۔

(۵/۱۶۱)

—×—

باقی صفحہ ۱۲ سے آگے

حقیقت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دو دہائیوں کی شکست و ریخت کے بعد بھی اردو کی تحریک زندہ ہے اور اردو لسانی اقلیت اپنی انفرادیت کی تلاش میں تا حال سرگرداں ہے۔ اس کی قیادت ابھی تک وہی نسل کر رہی ہے جس نے ۱۹۴۷ء سے پہلے ہوش سنبھالا تھا۔ یہ نسل نہ صرف اردو کے تحفظ و بقا کی داعی ہے بلکہ اردو ہی اس کے لئے اظہار کا تنہا وسیلہ ہے۔ لیکن یہ نسل بھی اب اختلاف رائے کا شکار ہو چکی ہے۔ کچھ لوگوں کے پیش نظر صرف مذہبی انفرادیت کی تلاش ہے۔ یہ تہذیب کے معتقداتی اور تصوراتی پہلوؤں کو عزیز رکھتے ہوئے اس کے خارجی مظاہر بالخصوص زبان کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو لسانی انفرادیت کی تلاش کو سعی لا حاصل سمجھتے ہوئے تاریخ کے ایک ایسے مجرم کی نفسیات کے حامل ہیں جو اپنے آخری وقت کا انتظار کر رہا ہو۔ یہ کارواں کے ساتھ ہیں لیکن اس طرح کہ

بیدل ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق

ان کے اس رویہ سے کبھی کبھی یہ سوال ذہن میں ضرور پیدا ہوتا ہے، کیا اردو والوں کی لسانی انفرادیت کی تلاش بامعنی بھی ہے؟ لیکن یہ بامعنی ہے: اس لئے کہ اس سے محروم ہو کر اردو والوں کی کم از کم دو نسلیں قوت اظہار کے لحاظ سے مفلوج ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ کسی جماعت کے عقائد و تصورات اپنے خارجی پیکر یعنی زبان سے عاری ہو کر اپنی ساری معنویت کھو دیتے ہیں۔ چوں کہ اردو اقلیت ایک سے زائد زبانوں کے علاقے میں پھیلی ہوئی ہے اس لئے اسے ایک جگہ ہندی، دوسری جگہ مراٹھی اور تیسری جگہ تلگو اور کنڑ میں اظہار بیان کی قدرت پیدا کرنا ہوگی۔ اردو ہی نہیں یہ تمام زبانیں کبھی آتے آتے آتی ہیں، اس لئے اردو اقلیت کا ترقی کی دوڑ میں پچھڑ جانا لازمی امر ہے۔ ترک اردو سے ان کے ذہن و فکر کی ان ساری صلاحیتوں کا مفقود ہو جانا بھی بعید از قیاس نہیں جو ایک گنگا جمنی تہذیب کی امین ہیں۔ قومی یک جہتی کے نام پر اردو اقلیت کو اپنے ذہن کو دیو مالا کے ان تمام جالوں میں اسیر کرنا پڑے گا جس سے ہمارے اسکولوں کی درسی کتب بھری پڑی ہیں اور جن سے اردو ہندوستان کی دیگر زبانوں کے مقابلے میں حیرت ناک حد تک آزاد ہے۔ اردو رسم خط کی موت کے ساتھ ساتھ اس زبان کا اپنے تہذیبی سرمایے کے سب سے بڑے ماخذ سے کٹ کر علاحدہ ہو جانا ایک امر یقینی ہے۔

غرض کہ اردو کی موت تہذیب کے ایک تصور کی موت ہوگی۔ ہندوستانی تاریخ کے ایک دور کی موت ہوگی۔ یہ ہندوستانی قومیت کے ایک جاندار حصے کی بھی موت ہوگی۔ اس لئے ہندوستانی قومیت اور اس کی رنگا رنگی کا عین تقاضا ہے کہ یہ لسانی اقلیت اپنی انفرادیت کی تلاش ناساعد حالات میں بھی جاری رکھے!

پروفیسر مسعود حسین خاں

میرا صفحہ

لسانی انفرادیت کی تلاش

اقلیتیں، چاہے وہ مذہبی ہوں کہ تہذیبی، نسلی ہوں کہ لسانی، ان کا مقدر ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کی تلاش میں رہیں۔ انفرادیت کی یہی تلاش اکثر ان کے اور اکثریت کے درمیان کشمکش کا باعث ہوتی ہے۔ عالمی برادری ابھی تک جمہوریت اور اشتراکیت کے دعووں کے باوجود اس کا کوئی خاطر خواہ حل نہیں نکال سکی ہے۔ ہر جگہ اقلیت، اکثریت کی شاکی ہے، ہر ملک میں اکثریت، اقلیت کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھتی ہے اور ان کے لئے قومیانے کا عمل ضروری سمجھتی ہے۔

ہندوستان کی اردو بولنے والی اقلیت کشمکش کے ان تمام ادوار سے گزر چکی ہے یا گزر رہی ہے جس سے دیگر ممالک میں نسلی یا تہذیبی اقلیتیں دوچار رہی ہیں۔ اسے مشتبہ نگاہوں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ قومی وحدت کے مخصوص تصور میں اس پر رخنہ ڈالنے کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ اس کے نظام تعلیم کو باقاعدہ طور پر درہم برہم کرنے کی ایسی تجاویز پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے جس کا نہ ہمارے دستور میں جواز ہے اور نہ ہمارے بے ہمہ و باہمہ فکری نظام میں گنجائش۔

اس لسانی اقلیت کے عناصر ترکیبی پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کے تار و پود میں کئی تہذیبی، مذہبی اور لسانی گروہ گتھے ہوئے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ اردو بولنے والوں کی بہت بڑی اکثریت مسلمانوں کی ہے لیکن ہندوستان کے سب مسلمان نہ تو اردو بولتے ہیں اور نہ اس کا دم بھرتے ہیں۔ ہندوستان میں اردو بولنے والوں کی تعداد مسلمانوں کی کل تعداد کی پچاس فی صد بھی نہیں، ان میں کشمیر کے مسلمان بھی شامل ہیں جو اسے اپنی مادری زبان نہیں تصوّر کرتے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ پچھلے بیس بائیس سال میں ہندی بولنے والی ریاستوں میں اردو والوں کی نئی نسل یکسر ہندی کے رنگ میں رنگی جا چکی ہے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسے اداروں میں کثرت سے ایسے مسلمان طالب علم مل جاتے ہیں جو اردو سے یا تو قطعاً ناواقف ہیں یا محض اس کی شُد بُد رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر امتیازات کے ساتھ ہندی میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ تاہم ان طلبہ میں اردو سے محبت کی ایک رمق باقی ہے اور انھیں یہ احساس ہے کہ تحصیل علم و کمال کے باوجود ہندی ان کی مادری زبان نہیں ہے۔

اردو لسانی اقلیت کے تار و پود کا دوسرا تار ان ہندوؤں پر مشتمل ہے جنھوں نے اب تک اردو کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ ان میں سے کچھ کے لئے اردو لکھنا پڑھنا مقام مجبوری ہے اس لئے کہ وہ عمر کے اس حصّے میں پہونچ چکے ہیں جہاں کسی نئی زبان کا اکتساب مشکل ہے۔ ان کے دل میں اردو کے لئے کوئی لہر موجزن نہیں۔ لیکن یو۔پی۔ بہار۔ اتر پردیش اور پنجابی مہاجرین میں کچھ ایسے غیر مسلم ضرور مل جائیں گے جو اردو کو اپنا سرمایہ عزیز سمجھتے ہیں۔ وہ نہ صرف اردو کے تاریخی رول پر نظر رکھتے ہیں بلکہ اسے اپنے کمال اور شہرت کا وسیلہ بھی سمجھتے ہیں۔ وہ ہر موقع پر اردو کے لئے سربکف نظر آئیں گے بلکہ اکثر اوقات دوسروں سے دو قدم آگے۔ تاہم ان کے بھی تحت الشعور میں یہ بات روز بروز روشن ہوتی جا رہی ہے کہ اردو کی لڑائی ایک پسپائی کی جنگ ہے، اس لئے وہ اپنی آنے والی نسلوں کو اس جنگ کا سپاہی نہیں بنانا چاہتے۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے اردو کے ایک معروف استاد نے مجھ سے ایک بار یہ کہا تھا کہ ہم اردو کے لئے وہ جذبہ اور حرارت محسوس ہی نہیں کر سکتے جو مسلمان اردو والے کرتے ہیں، اس لئے ہم بہت آسانی سے اپنے بچوں کو اردو سے ہٹا کر ہندی میں ڈال سکتے ہیں۔ میں نے اس کے جواب میں یہی کہا تھا کہ بچے ہمارے بھی ہندی ہی پڑھ رہے ہیں لیکن ان کو اردو سے بیگانہ رکھتے وقت دل میں ایک خلش سی ضرور محسوس ہوتی ہے۔ بس تو اب اردو بولنے والے ہندو اور مسلمان میں یہ خلش ہی ایک مابہ الامتیاز

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ) پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند)
(علی گڑھ) سے شائع کیا